AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

معاہداتِ نبوی ﷺ اور بین المذاہب مکالمہ: عصری اصول و معنویت کا تجزیاتی مطالعہ

The Prophetic Treaties and Interfaith Dialogue: An Analytical Study of Contemporary Principles and Relevance

Shumaila Zaria
M. Phil Scholar, Faculty of Arts and Humanities, Superior university, Lahore
zariyabashir81@gmail.com
Assistant Professor Dr. Neelam Bano (Corresponding Author)
Faculty of Arts and Humanities, Superior University, Lahore
Neelam.bano@superior.edu.pk

Abstract:

In the contemporary world, religious diversity, intolerance, minority rights concerns, and conflicts associated with religious differences have made interfaith dialogue an important requirement for peaceful coexistence. Islam provides a practical framework for interreligious engagement through the Qur'anic principles of seeking common ground, wisdom, respectful dialogue, gentle speech, and respect for religious sensitivities. The Prophetic treaties provide an important practical manifestation of these principles in relations with diverse religious and social communities. This study examines the contemporary significance of the Prophetic treaties for promoting interfaith dialogue through an analytical study of selected treaties, including the Covenant of Medina, the treaties with Juhaynah, Banu Damrah and Banu Ghifar, the Treaty of Hudaybiyyah, the agreement with the Christian monks of Saint Catherine, the Treaty of Khaybar, the agreements concluded in the vicinity of Tabuk, the treaty with Banu Thaqif, and the agreement with the Christians of Najran. The study argues that these treaties transformed principles of religious tolerance and peaceful coexistence into practical arrangements involving religious freedom, protection of life and property, recognition of religious identity, justice, contractual obligations, and peaceful conflict management. The findings indicate that the Prophetic treaty model offers significant guidance for contemporary pluralistic societies. It demonstrates that religious diversity does not necessarily constitute a threat to social stability when it is managed through legal protection, mutual respect, justice, dialogue, and shared responsibility. The study therefore concludes that contemporary interfaith dialogue should move beyond formal discussions and be connected with constitutional safeguards, public policy, minority rights, social cooperation, and practical mechanisms for peaceful coexistence. In this sense, the Prophetic treaties offer an enduring framework for translating interfaith dialogue from a theoretical ideal into a socially and legally meaningful practice.

Keywords: *Prophetic Treaties, Interfaith Dialogue, Religious Tolerance, Religious Freedom, Minority Rights, Peaceful Coexistence, Islamic Political Thought.*

عصرِ حاضر میں مذہبی تنوع، مذہبی عدم برداشت، اقلیتوں کے حقوق کے مسائل اور مذہب کے نام پر پیدا ہونے والی کشیدگی نے بین المذاہب مکالمے کو ایک اہم عالمی ضرورت بنا دیا ہے۔ ایسے ماحول میں مکالمہ محض مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے مابین گفت و شنید کا نام نہیں بلکہ باہمی احترام، تفاہم، مشترکہ انسانی مصالح اور پُرامن بقائے باہمی کے حصول کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ اسلامی مصادر کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ قرآنِ مجید نے مذہبی اختلاف کے باوجود مشترکہ بنیاد کی تلاش، حکمت، احسنِ مجادلہ، نرم گفتاری اور مذہبی احترام کو تعامل کے بنیادی اصول قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں یہی اصول محض رسمی تعلیمات کی صورت میں نہیں بلکہ مختلف مذہبی اور سماجی گروہوں کے ساتھ عملی معاہدات کے ذریعے نافذ شدہ منہج کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ اس آرٹیکل میں دس اہم ترین معاہدات نبوی کا تجزیاتی مطالعہ کر کے ان سے معاصر اصولوں کے استنباط کی کوشش کی گئی جن کی روشنی میں عصری

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

بین لمذاہب کشمکش کا خاتمہ ممکن ہو سکتا ہے۔ حلف الفضول میں انسانی مظلومیت کے خلاف اجتماعی ذمہ داری، میثاقِ مدینہ میں مذہبی تنوع کو قانونی نظم کے اندر جگہ دینا، جہینہ اور بنو ضمرہ کے ساتھ معاہدات میں مذہبی و داخلی خود مختاری کا لحاظ، صلح حدیبیہ میں امن کے لیے سیاسی مصلحت اور تحمل، سینٹ کیتھرائن اور اہلِ نجران کے ساتھ معاہدات میں مذہبی آزادی و تحفظ، جبکہ خیبر اور دیگر معاہدات میں عدل، حقوق اور عہد کی پاسداری جیسے اصول نمایاں ہیں۔

زیرِ نظر مطالعہ اسی عملی منہج کا تجزیاتی جائزہ لیتے ہوئے یہ واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ معاہداتِ نبوی ﷺ کس طرح مذہبی اختلاف کو تصادم کے بجائے قانونی، اخلاقی اور مکالماتی تعامل میں تبدیل کرتے ہیں، اور ان سے عصرِ حاضر کے کثیر المذاہب معاشروں کے لیے کون سے قابلِ عمل اصول اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ اس تناظر میں تحقیق کے بنیادی سوالات یہ ہیں:

1. معاہداتِ نبوی ﷺ نے مختلف مذہبی گروہوں کے مابین مکالمہ اور پُرامن بقائے باہمی کو کس طرح قانونی و عملی بنیاد فراہم کی؟
2. عصرِ حاضر کے کثیر المذاہب معاشروں میں مذہبی آزادی، اقلیتوں کے حقوق، باہمی احترام اور پُرامن بقائے باہمی کے فروغ کے لیے معاہداتِ نبوی ﷺ سے کون سے عملی اصول اخذ کیے جاسکتے ہیں؟

یہ تحقیق اس امر کو واضح کرتی ہے کہ معاہداتِ نبوی ﷺ کو محض تاریخی دستاویزات کے طور پر دیکھنا ان کی معنویت کو محدود کر دیتا ہے؛ ان میں موجود اصول مذہبی تنوع کے نظم، حقوق کے تحفظ، اعتماد سازی، تنازعات کے پُرامن حل اور بین المذاہب مکالمے کے لیے ایک قابلِ استفادہ عملی منہج فراہم کرتے ہیں۔

مکالمہ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم:

"مکالمہ" عربی زبان کا لفظ ہے جو مادہ **ک ل م** سے مشتق ہے اور بابِ مفاعلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ عربی میں "کَلام" اور "کَلِم" کا بنیادی تعلق اظہارِ معنی اور باہم گفتگو سے ہے[1] جب کہ "کالمہ مکالمۃً وکلامًا" کے معنی کسی سے گفتگو کرنا، اس سے بات چیت کرنا اور باہمی طور پر کلام کا تبادلہ کرنا ہیں۔[2] اس اعتبار سے لفظ "مکالمہ" میں محض ایک فرد کا اظہارِ خیال نہیں بلکہ دو یا دو سے زیادہ فریقوں کے مابین باہمی گفتگو اور تبادلہ کلام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

لغوی اعتبار سے "مکالمہ" کا مفہوم صرف الفاظ کے تبادلے تک محدود نہیں بلکہ ایسی گفتگو پر بھی دلالت کرتا ہے جس میں فریقین ایک دوسرے کی بات سنتے اور اپنے موقف کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی بنا پر مکالمے کا بنیادی وصف باہم خیالات کا تبادلہ ہے یعنی گفتگو یک طرفہ خطاب کے بجائے دوطرفہ یا کثیر الجہتی ابلاغ کی صورت اختیار کرتی ہے۔ اس مفہوم کی روشنی میں محض شور، مناظرانہ کشمکش یا غیر مربوط بحث کو مکالمہ قرار دینا درست نہیں، کیونکہ مکالمے کے تصور میں باہمی ابلاغ، سماعت اور جواب دہی کا عنصر بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

قرآنِ مجید میں "مکالمہ" کا لفظ بعینہٖ اصطلاحی معنوں میں نہیں آیا تاہم قرآن نے باہمی گفتگو اور تبادلہ کلام کے لیے متعدد تعبیرات استعمال کی ہیں جن میں بالخصوص حوار، محاورہ اور مجادلہ قابلِ ذکر ہیں۔[3] قرآنِ مجید میں اصحابِ کہف کے واقعے میں ارشاد ہے: ﴿**قَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ**﴾[4] یعنی اس شخص نے اپنے ساتھی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ اس آیت میں "**يُحَاوِرُهُ**" کا استعمال اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ "حوار" میں باہمی گفتگو اور جواب و سوال کا مفہوم موجود ہے۔ اسی طرح سورۃ المجادلہ کے آغاز میں فرمایا گیا: ﴿**قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ**﴾[5] اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآنی اسلوب میں انسانی مسائل کے حل کے لیے گفتگو، سوال، جواب، استماع اور استدلال کے مختلف اسالیب موجود ہیں۔ حوار اور جدال کے درمیان فرق بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ حوار کا بنیادی تعلق باہمی گفتگو اور مراجعتِ کلام سے ہے، جب کہ "جدال" میں اپنے موقف کے اثبات اور مخالف کے موقف کے رد کے لیے استدلال اور مناقشے کا پہلو زیادہ نمایاں ہو سکتا ہے۔ قرآنِ مجید نے جدال کو بھی مطلقاً ممنوع قرار نہیں دیا بلکہ

---

[1] ابراہیم مصطفی ومعہ، المعجم الوسیط (مترجم)، ص988

[2] ابو الفضل مولانا عبد الحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، ص717

[3] محمد طارق، ڈاکٹر ذیشان، مکالمہ کے اصول وضوابط، قرآنی آیات مکالمات کی روشنی میں مطالعہ، ص86

[4] القرآن: سورۃ الکہف، 18:34

[5] القرآن: سورۃ المجادلہ، 58:1

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اس کے اسلوب اور مقصد کے اعتبار سے اس کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے :﴿وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[6] یعنی ان سے ایسے طریقے سے بحث کرو جو بہترین ہو۔اس قرآنی اصول سے یہ نکتہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اختلافِ رائے بذاتِ خود مکالمے کی نفی نہیں کرتا؛اصل اہمیت گفتگو کے اسلوب، مقصد اور اخلاقی طریقۂ کار کو حاصل ہے۔

اصطلاحی اعتبار سے مکالمہ ایسی باقاعدہ اور بامقصد گفتگو کا نام ہے جس میں دو یا دو سے زیادہ فریق اپنے اپنے مواقف، افکار اور نقطۂ نظر کا اظہار کرتے، ایک دوسرے کو سنتے اور کسی مسئلے کو سمجھنے، اس کی حقیقت تک پہنچنے یا کسی مشترکہ مقصد کے حصول کے لیے باہمی تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔اس تعریف کا لازمی تقاضا یہ نہیں کہ مکالمے میں شریک فریق اپنے بنیادی نظریات یا عقائد سے دست بردار ہو جائیں۔اس کے برعکس مکالمے کی اصل ضرورت ہی وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں فریقین کے درمیان کسی نہ کسی درجے میں اختلاف، تنوع یا نظریاتی تفاوت موجود ہو۔چنانچہ مکالمہ کا مقصد لازماً اختلاف کا خاتمہ نہیں بلکہ اختلاف کے باوجود باہمی فہم، پرامن تعامل اور ممکنہ مشترکات کی دریافت پیدا کرنا ہے۔

یہی نکتہ بین المذاہب مکالمے کے تصور کو سمجھنے میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔"بین المذاہب مکالمہ" عربی میں عموماً **الحوار بين الأديان** اور انگریزی میں **Interfaith Dialogue** کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس سے مراد مختلف مذہبی روایات اور ان کے پیروکاروں کے مابین ایسا منظم، سنجیدہ اور بامقصد تبادلۂ خیال ہے جس کا مقصد ایک دوسرے کے مذہبی تصورات، اقدار اور تجربات کو سمجھنا، غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا، باہمی احترام کو فروغ دینا اور جہاں ممکن ہو مشترکہ انسانی و اخلاقی مقاصد کے لیے تعاون کی بنیاد فراہم کرنا ہو۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بین المذاہب مکالمہ جدید اصطلاح ضرور ہے لیکن اس کے بنیادی تصورات اور عملی مظاہر کو صرف جدید مغربی تاریخ تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ جدید دور میں منظم بین المذاہب تحریکوں نے اسے ایک باقاعدہ علمی، مذہبی اور ادارہ جاتی سرگرمی کی صورت ضرور دی تاہم مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے مابین مذہبی گفتگو، وفود کا تبادلہ، مذہبی اختلافات پر بحث اور باہمی معاہدات کی تاریخ اس سے کہیں قدیم ہے۔ اسلامی تناظر میں قرآنِ مجید کی اہلِ کتاب سے گفتگو، نبی کریم ﷺ کا غیر مسلم گروہوں اور مذہبی نمائندوں سے تعامل، اور معاہداتِ نبوی ﷺ اس امر کے واضح شواہد ہیں کہ مذہبی اختلاف کے باوجود گفت وشنید اور منظم تعلقات کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

اسلامی تناظر میں بین المذاہب مکالمے کا مقصد اپنے مذہبی تشخص یا بنیادی عقائد سے دست برداری نہیں بلکہ حق کے اظہار، باہمی تفاہم، غلط فہمیوں کے ازالے اور مشترکہ انسانی مصالح کے لیے پرامن تعامل پیدا کرنا ہے۔ اس لیے بین المذاہب مکالمے کو مذہبی نظریات کے باہمی ادغام یا تمام عقائد کو یکساں قرار دینے کے مترادف سمجھنا درست نہیں۔اس کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ فریقین اپنے مذہبی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے دوسرے فریق کے وجود، مذہبی آزادی اور انسانی وقار کو تسلیم کریں اور اختلافات کو پرامن اور مہذب طریقِ گفتگو کے ذریعے زیرِ بحث لائیں۔ اسلامی سکالرز نے بھی اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔[7] مکالمہ بذاتِ خود حتمی مقصد نہیں بلکہ ایک وسیلی اور منہجی عمل ہے جس کے ذریعے متعدد مقاصد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔[8] سید جلال الدین عمری کے مطابق مکالمے کے ذریعے ایک طرف حقیقت کے ادراک اور فہم کی کوشش کی جاسکتی ہے اور دوسری طرف مختلف اقوام و مذاہب کے درمیان ایسے مشترک پہلو تلاش کیے جاسکتے ہیں جو انہیں باہمی قربت اور تعاون کی طرف لے جائیں۔[9] چنانچہ بین المذاہب مکالمے کی کامیابی کا معیار یہ نہیں کہ اس کے نتیجے میں تمام مذہبی اختلافات ختم ہو جائیں بلکہ یہ ہے کہ اختلاف کے باوجود فریقین ایک دوسرے کو سمجھنے، اختلاف کو مہذب انداز میں قبول کرنے اور مشترکہ انسانی مسائل پر تعاون کرنے کے قابل ہو جائیں۔

بین المذاہب مکالمے کی اس نوعیت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے بنیادی عناصر باہمی سماعت، احترامِ اختلاف، اخلاصِ نیت، علمی دیانت، عدمِ جبر، مذہبی تشخص کا احترام، مشترکہ انسانی اقدار کی تلاش اور عملی تعاون ہیں۔ ان عناصر کے بغیر مکالمہ محض رسمی ملاقات یا یک طرفہ تبلیغ کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔اس لیے بامعنی مکالمے کے لیے ضروری ہے کہ فریقین ایک دوسرے کو محض مخاطب نہیں بلکہ ایک سنجیدہ اور باوقار مکالماتی فریق سمجھیں۔ یہاں سے معاہداتِ نبوی ﷺ کے مطالعے کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ اگر مکالمہ صرف زبانی گفتگو کا

---

[6] القرآن: سورۃ النحل، 16:125

[7] ڈاکٹر عبد الفرید برہی ومعہ، مکالمہ بین المذاہب کی جہات: مصطفوی منہج (عرب کے یہود و نصاریٰ سے تعامل کی روشنی میں)، ص 203

[8] ڈاکٹر محبوب علی شاہ، ڈاکٹر محمد شاہد حبیب، مکالمہ بین المذاہب شرائط، مقاصد اقسام اور رکاوٹیں، ص 138

[9] سید جلال الدین عمری، مکالمہ بین المذاہب، ص 61

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

نام نہیں بلکہ اختلاف رکھنے والے فریقوں کے درمیان باہمی فہم، حقوق کی تعیین، ذمہ داریوں کی قبولیت اور مشترکہ مصالح کے لیے منظم تعامل کا نام ہے تو نبوی معاہدات اس تصور کا ایک اہم عملی اور دستاویزی مظہر قرار پاتے ہیں۔ ان معاہدات میں صرف اختلاف رکھنے والے فریقوں کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا عمل ہی نہیں ملتا بلکہ باہمی حقوق و فرائض، امن و امان، عہد کی پابندی، مذہبی و اجتماعی شناخت اور مشترکہ ذمہ داریوں کے اصول بھی سامنے آتے ہیں۔ یہی پہلو معاہداتِ نبوی ﷺ کو بین المذاہب مکالمے کی عصری معنویت کے مطالعے کے لیے اہم بناتا ہے۔

معاہدہ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم:

معاہدہ عربی زبان کا لفظ ہے جو بابِ مفاعلہ سے مشتق ہے اور اس کا مادہ عہد ہے جس کے لغوی معانی میں وفا، ضمان، وصیت، دوستی اور میثاق شامل ہیں، جب کہ "معاہدہ" کے معنی کسی کے ساتھ عہد و پیمان قائم کرنا اور کسی کا حلیف بننا بھی بیان کیے گئے ہیں۔[10] اس لغوی مفہوم سے واضح ہوتا ہے کہ معاہدہ محض باہمی گفتگو یا وقتی اتفاقِ رائے کا نام نہیں، بلکہ اس میں عہد، التزام، ذمہ داری اور باہمی تعلق کا مفہوم شامل ہے۔ لفظ "عہد" کے مفہوم میں "وفا" اور "میثاق" کا شامل ہونا بالخصوص قابلِ توجہ ہے، کیونکہ اس سے معاہدے کی اخلاقی اور ذمہ دارانہ حیثیت نمایاں ہوتی ہے۔ عہد کسی امر کے بارے میں محض قول کا اظہار نہیں بلکہ اس قول کی پاسداری اور اسے پورا کرنے کا تقاضا بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ اسی طرح "ضمان" کا مفہوم ذمہ داری اور التزام، جب کہ "میثاق" عہد کی پختگی اور استحکام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس اعتبار سے لغوی سطح پر معاہدہ ایک ایسے باہمی التزام کے طور پر سامنے آتا ہے جس میں قول، ذمہ داری، وفاداری اور عہد کی پابندی باہم مربوط ہوتے ہیں۔

قرآنِ مجید میں "عہد" اور اس سے مشتق الفاظ کا استعمال بھی اس تصور کی معنوی وسعت کو واضح کرتا ہے۔ قرآن عہد کو محض رسمی قول و قرار کے طور پر نہیں بلکہ ذمہ داری اور وفاداری سے مربوط تصور کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿**وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا**﴾[11] یعنی "عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کے بارے میں بازپرس ہوگی"۔ اس قرآنی ہدایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد کی تکمیل محض ایک سماجی یا قانونی تقاضا نہیں بلکہ اخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔ اسی طرح فرمایا گیا ﴿**وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ**﴾[12] یعنی "جب عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو"۔ یوں قرآنی تصور میں عہد کی پاسداری انسانی تعلقات میں اعتماد اور ذمہ داری کی بنیادی قدر بن جاتی ہے۔

اصطلاحی اعتبار سے معاہدہ اس قول و قرار کو کہا جا سکتا ہے جو دو یا دو سے زائد افراد، گروہوں یا فریقوں کے درمیان کسی متعین امر کے بارے میں طے پائے اور جس کے نتیجے میں متعلقہ فریق اس کے مندرجات کی پابندی کے ذمہ دار ہوں۔ اس طرح معاہدہ ہر اس قول و قرار پر صادق آئے گا جس میں دو یا دو سے زائد افراد یا گروہوں کے درمیان طے پا جائے۔[13] اس تعریف میں معاہدے کے دو بنیادی عناصر نمایاں ہوتے ہیں: ایک اس کا باہمی ہونا اور دوسرا فریقین کے درمیان کسی امر پر قول و قرار کا طے پانا۔ اس اصطلاحی مفہوم کی روشنی میں معاہدے کو محض اتفاقِ رائے سے الگ سمجھنا ضروری ہے۔ اتفاقِ رائے کسی معاملے پر مشترک موقف تک پہنچنے کا نام ہو سکتا ہے، جب کہ معاہدے میں اس اتفاق کو متعین قول و قرار اور باہمی التزام کی صورت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر گفتگو بھی معاہدہ نہیں بنتی؛ گفتگو اس وقت معاہداتی حیثیت اختیار کرتی ہے جب اس کے نتیجے میں فریقین کے درمیان کسی امر کے بارے میں واضح ذمہ داری، التزام یا عہد وجود میں آئے۔ یوں مکالمہ معاہدے کے قیام کا ذریعہ بن سکتا ہے لیکن ہر مکالمہ خود معاہدہ نہیں ہوتا۔

یہ امتیاز زیرِ نظر تحقیق کے لیے خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ مکالمہ ایک باہمی اور بامقصد گفت و شنید کا عمل ہے جب کہ معاہدہ اس تعامل کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ایسے باقاعدہ قول و قرار کی صورت اختیار کرتا ہے جس میں فریقین پر متعین ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں، مکالمہ فریقین کو ایک دوسرے کے موقف کو سمجھنے، مشترکہ نکات تلاش

---

[10] ابو الفضل مولانا عبد الحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، ص556

[11] القرآن: سورۃ الإسراء، 17:34

[12] القرآن: سورۃ النحل، 16:91

[13] ڈاکٹر عبد الحی مدنی، ڈاکٹر بشیر احمد ڈار، ڈاکٹر حافظ صبغت اللہ بھٹو، انسانی و عالمی امن کے لیے معاہداتِ رسول کا تجزیاتی مطالعہ، ص113

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

کرنے اور باہمی مفاہمت پیدا کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے جبکہ معاہدہ ان طے شدہ امور کو عملی التزام میں تبدیل کر سکتا ہے۔ یہی فرق معاہداتِ نبوی ﷺ کے مطالعے میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

معاہدے کے لغوی مفہوم میں موجود وفا، میثاق اور ضمان کے عناصر اس امر کی طرف بھی رہنمائی کرتے ہیں کہ کسی معاہدے کی حقیقی معنویت صرف اس کے طے پانے میں نہیں بلکہ اس کی پاسداری میں مضمر ہوتی ہے۔ معاہدہ جب باہمی ذمہ داری کا اظہار ہو تو اس کی تکمیل فریقین کے درمیان اعتماد کو مضبوط کرتی ہے جبکہ اس کی خلاف ورزی باہمی اعتماد کو متاثر کر سکتی ہے۔ اس اعتبار سے معاہدہ صرف حقوق و فرائض کی تعیین نہیں کرتا بلکہ فریقین کے مابین اعتماد، ذمہ داری اور استحکام کی بنیاد بھی فراہم کرتا ہے۔ معاہداتِ نبوی ﷺ کے تناظر میں یہ مفہوم مزید اہم ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف مذہبی، قبائلی اور سیاسی گروہوں کے ساتھ متعدد مواقع پر ایسے عہد و پیمان قائم کیے جن میں فریقین کے باہمی حقوق، ذمہ داریاں اور تعلقات کی نوعیت متعین ہوئی۔ ان معاہدات کا مطالعہ اس زاویے سے اہم ہے کہ مذہبی یا قبائلی اختلاف رکھنے والے گروہوں کے مابین کس طرح باہمی ذمہ داریوں اور عہد کی بنیاد پر تعلقات کو منظم کیا گیا اور اجتماعی امن و استحکام کے لیے کن اصولوں کو اختیار کیا گیا۔

مکالمہ بین المذاہب کے قرآنی اصول:

بین المذاہب مکالمے کی بنیاد محض عصرِ حاضر کے مذہبی تنوع کی ضرورت نہیں بلکہ قرآنِ مجید میں اس کے بنیادی اصول واضح طور پر موجود ہیں۔ قرآن اختلافِ عقیدہ کے باوجود مشترکہ امور کی بنیاد پر گفتگو، حکمت، حسنِ اسلوب اور باہمی احترام کی تعلیم دیتا ہے۔ اہلِ کتاب کو دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قل یااھل لکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم[14]

آپ ﷺ فرمادیں: اے اہل کتاب! تم اس بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔

قرآنِ مجید اختلافات کو نظر انداز کرنے کے بجائے مشترک اعتقادی و اخلاقی امور کو مکالمے کا نقطۂ آغاز قرار دیتا ہے تاکہ مختلف مذاہب اپنے مذہبی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے امن، عدل، انسانی بھلائی اور معاشرتی استحکام جیسے مشترک مقاصد کے لیے تعاون کر سکیں۔ قرآنی منہج کی ایک نمایاں خصوصیت احسنِ مجادلہ ہے، یعنی اختلافِ رائے کے باوجود گفتگو کے لیے بہترین، شائستہ اور مؤثر اسلوب اختیار کرنا۔ ارشاد ہے: "وَلا تُجادلوا اہلَ الکتابِ اِلا باللتی ھِیَ اَحسنُ"[15] یعنی اہل کتاب سے جھگڑا مت کرو یہ مگر ایسے طریقے سے جو سب سے بہتر ہو۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی مکالمے میں موقف کی درستی کے ساتھ اسلوبِ گفتگو کی شائستگی بھی ضروری ہے۔ قرآنِ مجید حکمت، موعظۂ حسنہ اور احسنِ مجادلہ کو مکالمے کا بنیادی طریقہ قرار دیتا ہے: اسی اصول کو قرآنِ مجید نے دعوت اور مخالف نقطۂ نظر رکھنے والوں سے گفتگو کے عمومی منہج میں بھی واضح کیا ہے:

"اُدع الی سبیلِ ربک بالحکمةِ والموعظةِ الحسنه و جادلهم باللتی ھی احسنُ"[16]

ترجمہ: (اے رسول معظم ﷺ!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔

یہ آیت مکالمے کے لیے تین بنیادی اصول فراہم کرتی ہے: حکمت، موعظۂ حسنہ اور احسن اندازِ گفتگو۔ اس کا تقاضا ہے کہ اختلافِ رائے کے باوجود مخاطب کے احترام، خیر خواہی اور شائستگی کو ملحوظ رکھا جائے اور گفتگو کو تحقیر یا اشتعال سے پاک رکھا جائے۔

---

[14] سورہ آل عمران، 3:64

[15] سورہ العنکبوت، 29:46

[16] سورہ النحل، 16:125

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

یہی اصول حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے ساتھ گفتگو میں قولِ لین اختیار کرنے کی ہدایت سے مزید واضح ہوتا ہے:

"اذھبا الی فرعون انه طغیٰ۔ فقولا له قولالینالعله یتذکر او یخشی"[17]

ترجمہ: تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ سرکشی میں حد سے گزر چکا ہے۔ سو تم دونوں اس سے نرم (انداز میں) گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔

فرعون جیسے سرکش مخالف کے ساتھ بھی قولِ لین کا حکم اس امر کی دلیل ہے کہ اختلاف یا مخالفت مکالمے کے اخلاقی آداب کو ختم نہیں کرتی۔ اسی طرح قرآنِ مجید مذہبی مقدسات کے احترام اور اشتعال انگیزی سے اجتناب کی ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"ولا تسبو االذین یدعون من دون الله فیسبواالله عدوا بغیر علم"[18]

اور (اے مسلمانو!) تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں پھر وہ لوگ (بھی جواباً) جہالت کے باعث ظلم کرتے ہوئے اللہ کی شان میں دشنام طرازی کرنے لگیں۔

مندرجہ بالا آیات بین المذاہب مکالمے کے بنیادی اصولوں یعنی مشترکہ بنیاد، حکمت، نرم گفتاری، باہمی احترام، مذہبی تحقیر سے اجتناب اور حقوق کی پاسداری کو واضح کرتی ہیں۔ یہی اصول آگے معاہداتِ نبوی ﷺ میں نظری تعلیمات سے عملی منہج کی صورت میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اس بنا پر اسلامی تصورِ بین المذاہب مکالمہ نہ تو مذہبی اختلاف کو مٹانے کا مطالبہ کرتا ہے اور نہ مذہبی شناختوں کے باہمی ادغام کو ضروری قرار دیتا ہے؛ اس کے بجائے یہ اختلاف کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے پُرامن انتظام، باہمی احترام اور مشترکہ خیر کے حصول کی راہ دکھاتا ہے۔ یہی خصوصیت معاہداتِ نبوی ﷺ کی عصری معنویت کے مطالعے کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ معاہدات میں یہی اصول محض نظری ہدایات کے طور پر نہیں بلکہ مختلف مذہبی و سماجی گروہوں کے ساتھ عملی تعلقات کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کے مکالماتی اصولوں اور نبوی معاہداتی منہج کو باہم ملا کر دیکھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں بین المذاہب مکالمہ ایک مجرد تصور نہیں بلکہ احترام، ذمہ داری، عہد، امن اور مشترکہ انسانی مصالح پر مبنی عملی طرزِ تعامل کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔

معاہداتِ نبوی ﷺ کا نظریاتی پس منظر:

معاہداتِ نبوی ﷺ کی نظریاتی اساس اسلامی تصورِ انسان اور احترامِ انسانیت پر قائم ہے جس کے مطابق مذہبی اختلاف انسان کے بنیادی وقار اور انسانی تعلقات کی نفی نہیں کرتا۔ قرآنِ مجید مذہبی جبر کی نفی کرتا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس اصول کو غیر مسلموں کے ساتھ عملی تعلقات اور معاہدات کے ذریعے ایک منظم سماجی و قانونی صورت عطا فرمائی۔ اسی طرح معاہداتِ نبوی ﷺ نے مذہبی اختلاف کے باوجود ریاست اور غیر مسلم گروہوں کے مابین حقوق و ذمہ داریوں، باہمی تحفظ، قیامِ امن اور بقائے باہمی کے اصول متعین کیے۔ فقہی و سیاسی اعتبار سے یہ معاہدات ایک ایسے قانونی و اخلاقی ڈھانچے کی تشکیل کرتے ہیں جس میں مذہبی اختلاف کو تصادم کے بجائے عہد، ذمہ داری، احترام اور باہمی تعاون کے ذریعے منظم کیا گیا۔[19] نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی بچے کی عیادت کی۔[20] یہ عمل غیر مسلم فرد کے ساتھ براہِ راست انسانی رابطے، ان کے ساتھ معاشرتی تعلقات اور خیر خواہانہ گفتگو کی عملی مثال فراہم کرتا ہے جبکہ معاہداتِ نبوی ﷺ اسی طرزِ تعامل کو اجتماعی اور قانونی سطح پر منظم کرتے ہیں۔ یہی ربط معاہداتِ نبوی ﷺ کو مکالمہ بین المذاہب کے فروغ سے جوڑتا ہے۔ چنانچہ آئندہ اہم معاہدات کا تجزیاتی مطالعہ اس امر کو واضح کرے گا کہ ان میں مذہبی رواداری، پُرامن بقائے باہمی، باہمی حقوق اور مکالمے کے کون سے اصول مضمر ہیں اور وہ عصرِ حاضر کے لیے کس نوع کی عملی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

---

[17] سورہ طٰہٰ، 20:43- 44

[18] سورہ الانعام، 6:108

[19] فداء الرحمان ومعہ، عصر حاضر میں مذہبی رواداری کے قیام کی صورتیں، ابراہیمی مذاہب کے تناظر میں تجزیاتی مطالعہ، ص34

[20] امام بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب المرضی، باب عیادۃ المشرک، رقم الحدیث: 5657

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

بعثت سے قبل پیش آنے والا حلف الفضول بھی رسول اللہ ﷺ کے اس نبوی مزاج کی ایک ابتدائی جھلک فراہم کرتا ہے جس میں ظلم کے خاتمے، انسانی وقار کے تحفظ اور اجتماعی عدل کے قیام کے لیے باہمی اتفاق اور گفت وشنید کو اہمیت حاصل تھی۔ مکہ کے مختلف قبائل نے ایک مظلوم تاجر کی داد رسی اور ظالم کے مقابلے کے لیے جو معاہدہ قائم کیا، رسول اللہ ﷺ اس میں شریک ہوئے اور بعثت کے بعد بھی اس کے اصول کی تحسین فرمائی۔[21] اگرچہ یہ معاہدہ مذہبی مکالمے سے متعلق نہ تھا اور نہ ہی اسے معاہداتِ نبوی ﷺ میں شمار کیا جا سکتا ہے تاہم یہ واقعہ اس امر کا قرینہ فراہم کرتا ہے کہ عدل، انسانی وقار اور ظلم کے خاتمے کے لیے اجتماعی مکالمہ و معاہدہ رسول اللہ ﷺ کے فکری و اخلاقی مزاج سے ہم آہنگ تھا۔ یوں نبوت سے قبل کا یہ واقعہ معاہداتِ نبوی ﷺ کے اس وسیع تر نظریاتی پس منظر کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے جس میں تصادم کے بجائے مکالمہ، باہمی اتفاق اور مشترکہ انسانی اقدار کو معاشرتی امن کی بنیاد بنایا گیا۔

1۔ میثاقِ مدینہ:

میثاقِ مدینہ عالمی آئینی تاریخ میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ اسے دنیا کا پہلا باضابطہ آئینی مسودہ قرار دیا جاتا ہے جس میں بلا تفریقِ رنگ و نسل و مذہب ریاست کے تمام شہریوں کے حقوق کا تعین کیا گیا۔ یہ اولیں کتبِ سیر یعنی سیرت ابن اسحاق اور سیرت ابن عبیدہ وغیرہ میں محفوظ ہے۔ اس معاہدے کے دو حصے ہیں[22] اس میں کل 52 دفعات ہیں جن میں پہلی 23 دفعات انصار و مہاجرین کے متعلق ہیں اور 29 دفعات یہود مدینہ کے حقوق و فرائض سے متعلق ہیں۔[23] سیدنا زید بن ثابتؓ نے اس معاہدے کو تحریر کیا۔[24] اس دستاویز میں غیر مسلموں کے جملہ سیاسی، معاشی، معاشرتی و مذہبی حقوق حوالے سے ریاستی سطح پر واضح ضمانت دی گئی جن میں اہم ترین حقوق درج ذیل ہیں؛

- ریاست کے تمام شہری (بلا تفریقِ مذہب) ایک قوم تصور ہوں گے۔
- غیر مسلموں کو بطوی شہری ریاستِ مدینہ مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔
- غیر مسلموں پر کوئی ظلم نہیں ہو گا اور نہ ہی ان کے خلاف کسی ظالم کی مدد کی جائے گی۔
- مذہبی آزادی کا حق فراہم کیا گیا جس کے تحت غیر مسلم اپنے عقائد و عبادات میں آزاد اور خود مختار تھے۔[25]

ان نکات کی روشنی میں میثاقِ مدینہ کی اہمیت محض ایک سیاسی معاہدے تک محدود نہیں رہتی بلکہ یہ مذہبی تنوع کو قانونی و اجتماعی نظم کے اندر قبول کرنے کا ایک عملی نمونہ بن کر سامنے آتا ہے۔ ریاست کے تمام شہریوں کو مشترکہ سیاسی وحدت کا حصہ قرار دینا اس امر کی بنیاد فراہم کرتا ہے کہ شہری وابستگی کو مذہبی یکسانیت سے مشروط نہیں کیا گیا۔ اسی طرح غیر مسلموں کے مساوی شہری حقوق، ظلم سے تحفظ اور مذہبی آزادی کی ضمانت نے انہیں محض "مذہبی اقلیت" کے طور پر نہیں بلکہ ریاستی نظم کے باقاعدہ اور حقوق رکھنے والے فریق کے طور پر تسلیم کیا۔ بین المذاہب مکالمے کے حوالے سے ان دفعات کا اہم پہلو یہ ہے کہ مکالمے کے لیے پہلے قانونی و سماجی تحفظ کا ماحول پیدا کیا گیا۔ جب مختلف مذہبی گروہوں کو اپنی شناخت، عقائد، عبادات اور بنیادی حقوق کے تحفظ کا یقین ہو تو باہمی رابطہ دفاعی کشمکش کے بجائے اعتماد اور تعاون کی بنیاد پر قائم ہو سکتا ہے۔ مزید برآں، ظلم کے خلاف اجتماعی ذمہ داری کا اصول مذہبی اختلاف کو انسانی عدل کے مشترک اصول کے تحت لاتا ہے۔ اس طرح میثاقِ مدینہ یہ عملی رہنمائی فراہم کرتا ہے کہ کثیر المذہبی معاشرے میں پائیدار مکالمہ صرف دعوتی یا فکری گفتگو سے نہیں بلکہ مساوی شہری حیثیت، مذہبی آزادی، عدمِ ظلم اور حقوق کے قانونی تحفظ سے تشکیل پاتا ہے۔ یہی پہلو اسے عصرِ حاضر کے بین المذاہب تعلقات کے لیے ایک قابلِ غور نبوی نمونہ بناتا ہے۔

---

[21] علامہ نور بخش توکلی، سیرت رسول عربی، ص30

[22] ڈاکٹر عبدالحی مدنی ومعہ، انسانی و عالمی امن کے لیے معاہدات رسول کا تجزیاتی مطالعہ، ص115

[23] محمد اسلم صدیقی، قرون اولی میں مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات و معاہدات اور عصر حاضر، ص159

[24] ڈاکٹر محمود غازی، محاضراتِ سیرت، ص337

[25] ڈاکٹر طاہر القادری، مقدمہ سیرت الرسول، س349 تا 351

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

2۔ قبیلہ جہینہ اور اس کے ذیلی قبائل بنوؤرعہ اور بنورَبعہ سے معاہدہ:

یہ قبیلہ مدینہ منورہ سے 80 میل دور ینبوع کے مقام پر بحر احمر کے قریب آباد تھا۔ سفر ینبوع کے درمیان یہ اس قبیلے کے لوگ حاضر ہوئے اور یکم ہجری کو ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے معاہدہ تحریر فرمایا۔[26] اس معاہدے کے اہم نکات درج ذیل ہیں؛

- قبیلہ جہینہ اور ان کے ذیلی قبائل کے جان ومال کو مکمل تحفظ حاصل ہو گا۔
- ان قبائل کے اندرونی سیاسی ومذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔
- کوئی اگر ان پر ظلم کرے گا تو اہل جہینہ کا ساتھ دیا جائے گا۔[27]

رواداری پر مبنی اس مکالمے اور معاہدے کا فائدہ یہ ہوا کہ فتح مکہ کے بعد اس قبیلے کے ایک ہزار چار سو افراد مسلمان ہو گئے۔[28]

قبیلہ جہینہ سے معاہدہ اس امر کی عملی مثال ہے کہ بین المذاہب مکالمے کی پائیداری تحفظ، عدم مداخلت اور باہمی اعتماد جیسے عملی اصولوں سے وابستہ ہے۔ موجودہ کثیر المذہبی معاشروں میں مختلف مذہبی گروہوں کو اپنے تشخص اور داخلی مذہبی معاملات کے تحفظ کا یقین فراہم کرنا مکالمے کو رسمی سرگرمی کے بجائے مؤثر سماجی تعلق میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اس معاہدے کے نتیجے میں پیدا ہونے والا اعتماد اور بعد ازاں بڑی تعداد میں افراد کا اسلام قبول کرنا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ پُرامن اور احترام پر مبنی تعلقات مذہبی تفہیم اور مثبت تبدیلی کے لیے زیادہ مؤثر ماحول پیدا کرتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں بھی مکالمے کا مقصد محض دوسرے کو قائل کرنا نہیں بلکہ ایسا اعتماد پیدا کرنا ہونا چاہیے جس سے مذہبی فاصلے کم ہوں اور باہمی قبولیت وتفاہم کی راہیں کھلیں۔

3۔ معاہدہ بنوضمرہ:

یہ قبیلہ مدینہ کی سرحد پر مقامِ ابواء کے قریب آباد تھا جہاں آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہؓ قبر مبارک تھی۔ غزوہ ابوا سے واپسی پر قبیلہ بنوضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو حاضر ہوئے اور معاہدہ کیا۔[29] اس معاہدے کو معاہدہ ابوا بھی کہا جاتا ہے۔[30] یہ معاہدہ 2 ہجری میں قوع پذیر ہوا۔ اس معاہدے کے اہم نکات درج ذیل ہیں؛

- بنوضمرہ مسلمانوں کی لازمی مدد کریں گے اور ظالم کے خلاف ریاست مدینہ ان کے ساتھ کھڑی ہو گی۔
- مذہبی جنگوں میں وہ مسلمانوں کی مدد نہیں کریں گے (اس سے مذہبی آزادی کا تصور واضح ہوتا ہے۔)
- جب تک اہل ضمرہ اس معاہدے پر قائم رہیں گے ان کی مدد جاری رہے گی۔[31]

معاہدۂ بنوضمرہ سے بین المذاہب مکالمے کے لیے مذہبی اختلاف کے باوجود باہمی ذمہ داریوں کی متعین حد بندی کا اصول اخذ ہوتا ہے۔ عصرِ حاضر میں مؤثر مکالمہ اسی وقت پائیدار بن سکتا ہے جب مختلف مذہبی گروہوں کے مشترکہ شہری وانسانی مفادات کے لیے تعاون ہو، لیکن کسی فریق کو اس کے مذہبی تشخص یا اعتقادی آزادی سے دست بردار ہونے پر مجبور نہ کیا جائے۔ یہ طرزِ تعامل مکالمے کو مذہبی غلبے کے بجائے رضاکارانہ تعاون اور باہمی اعتماد کا ذریعہ بناتا ہے۔ اس سے موجودہ کثیر المذہبی معاشروں میں ایک ایسا عملی ماڈل سامنے آتا ہے جس میں مشترکہ امن وعدل کے لیے اشتراک اور مذہبی معاملات میں خود مختاری، دونوں بیک وقت محفوظ رہتے ہیں۔

---

26 محمد اسلم صدیقی، قرونِ اولی کے مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات ومعاہدات اور عصرِ حاضر، ص164

27 سید محبوب رضوی، مکتوباتِ نبوی، ص80-84

28 محمد اسلم صدیقی، قرونِ اولی کے مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات ومعاہدات اور عصرِ حاضر، ص165

29 ڈاکٹر عبدالحی مدنی ومعہ، انسانی وعالمی امن کے لیے معاہدات رسول کا تجزیاتی مطالعہ، ص116

30 محمد اسلم صدیقی، قرونِ اولی کے مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات ومعاہدات اور عصرِ حاضر، ص166

31 سید محبوب رضوی، مکتوباتِ نبوی، ص82-83

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

4۔ قبیلہ بنو غفار سے معاہدہ:

بنو غفار ایک مشہور عرب قبیلہ تھا جس کا پیشہ راہزنی تھا۔ یہ قبیلہ مکہ سے شام و فلسطین کے رستے پر آباد تھا۔ اس قبیلے نے ایک وفد بھیج کر معاہدہ کی پیشکش کی جس کی اہم دفعات درج ذیل تھیں؛

- بنو غفار کے حقوق مسلمانوں کے برابر ہوں گے۔
- رسول اللہ ان کے جان و مال کے تحفظ کے ذمہ دار ہوں گے۔
- ظالم دشمن کے خلاف انہیں مدد دی جائے گی۔

اس معاہدے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آدھا قبیلہ قبل از ہجرت مسلمان ہو چکا تھا اور بقیہ آدھا بعد از ہجرت مسلمان ہو گیا۔ مشہور صحابی حضرت ابو ذر غفاری کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنو غفار کے لیے خصوصی دعا بھی فرمائی۔[32]

غیر مسلم قبائل سے اس قدر محبت بھرا رویہ آپ ﷺ کے مکالمہ بین المذاہب کے فروغ پر شاہد ہیں۔ اس معاہدے سے حسنِ سلوک اور عملی تحفظ کے ذریعے اعتماد سازی کا اصول سامنے آتا ہے۔ عصرِ حاضر میں مختلف مذہبی گروہوں کے درمیان پائیدار تعلق صرف نظری گفتگو سے نہیں بلکہ مساوی سلوک، جان و مال کے تحفظ اور مشکل حالات میں عملی تعاون سے قائم ہوتا ہے۔ اس معاہدے کے بعد قبیلے کے افراد کا تدریجاً اسلام کی طرف راغب ہونا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مکالمے کا مثبت ماحول فکری اثر پذیری کے امکانات کو بڑھاتا ہے، جبر کو نہیں۔ اس لیے آج بین المذاہب مکالمے کو مذہبی تبدیلی کے دباؤ کے بجائے کردار، اعتماد اور باہمی خیر خواہی کے ذریعے مؤثر بنانا زیادہ پائیدار راستہ ہے۔

5۔ معاہدہ صلح حدیبیہ:

سن 6 ہجری میں ریاستِ مدینہ اور اہل مکہ کے درمیان وقوع پذیر ہونے والا معاہدہ حدیبیہ مکالمہ بین المذاہب کی حقانیت اور پر امن بقائے باہمی کی ایک ایسی مثال ہے جس کی نظیر عصرِ حاضر میں ملنا ناممکن ہے۔ قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو اور مسلمانوں کی طرف سے سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اس معاہدے کو تحریر کیا۔ اس معاہدے کی اہم دفعات درج ذیل ہیں؛

- فریقین دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔
- مسلمانوں کو اس سال عمرہ کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔ اگلے سال عمرہ کرنے آسکیں گے۔
- جو مکی شہری مدینہ آئے گا اسے واپس بھیج دیا جائے گا لیکن جو مدنی شہری مکہ جائے گا اسے قریش واپس نہ کریں گے۔
- دلوں کی عداوتیں دلوں میں رہیں گی انہیں ظاہر نہ کیا جائے گا اور معاہدے میں کوئی خیانت نہ کی جائے گی۔[33]

اس معاہدے کی شرائط کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باوجود طاقت کے مکالمہ کو موقع دیا اور امن کی خاطر مشرکینِ مکہ کی وہ شرائط بھی قبول کیں جنہیں صحابہ کرام کے لیے قبول کرنا بھی آسان نہ تھا۔ زیارتِ کعبہ، جس کے لیے اتنا لمبا سفر طے کیا گیا تھا، سے بھی دستبرداری اختیار کر لی۔ محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھنا تسلیم کر لیا، بسم اللہ کی اللھم لکھنا مان لیا، مسلمان جو مکہ سے مدینہ آنا چاہتے تھے ان کا رستہ بھی مسدود کر دیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی چشمِ بصیرت ان حقائق سے واقف تھی جسے سمجھنا اس وقت عام انسانوں کے بس کی بات نہ تھی۔ بعض شر پسندوں نے امن خراب کرنے کی بھرپور کوشش کی تو انہیں گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا مگر آپ نے معاف فرما دیا، ایک صحابی زنیمؓ جو ایک پہاڑی پر کھڑے تھے انہیں تیر کا نشانہ لگا کر شہید کر دیا گیا، سیدنا عثمانِ غنیؓ کے قتل کی افواہ پھیلائی گئی جس پر انتقام کی بیعت، بیعت رضوان، کی

---

[32] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اللہ کی سیاسی زندگی، ص244

[33] ڈاکٹر عبد الحی مدنی ومعہ، انسانی و عالمی امن کے لیے معاہدات رسول کا تجزیاتی مطالعہ، ص119

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

گئی۔ حضرت خراش بن امیہؓ کی اونٹنی کو قتل کر دیا گیا۔ اسے قرآن مجید میں "فتح مبین" قرار دیا گیا ہے۔[34] اس معاہدے کی سب سے اہم کامیابی یہ تھی کہ پہلی بار اہلِ مکہ نے مدینہ کو ایک الگ سیاسی قوت اور خود مختار ریاست تسلیم کر لیا تھا۔

صلحِ حدیبیہ سے بین المذاہب مکالمے کے لیے اختلاف کے باوجود امن کو ترجیح دینے اور عارضی مصلحت کے ذریعے پائیدار تعلقات کے امکانات پیدا کرنے کا اصول اخذ ہوتا ہے۔ اس معاہدے سے واضح ہوتا ہے کہ مکالمہ محض ہم خیال فریقوں کے درمیان نہیں، بلکہ شدید اختلاف اور سابقہ عداوت رکھنے والے فریقوں کے ساتھ بھی ممکن ہے، بشرطیکہ امن کو مذاکرات کی بنیاد بنایا جائے۔ عصرِ حاضر میں مذہبی تنازعات کے حل کے لیے فوری اور مکمل اتفاقِ رائے کے بجائے مرحلہ وار اعتماد سازی، جنگ بندی اور قابلِ قبول مشترک شرائط اختیار کی جا سکتی ہیں۔ حدیبیہ کی عملی کامیابی یہ رہنمائی دیتی ہے کہ کبھی بظاہر یک طرفہ رعایت بھی مستقبل کے وسیع تر مکالمے، اعتماد اور مفاہمت کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ یہی اصول آج مذہبی کشیدگی اور باہمی تنازعات کے پُرامن انتظام میں مؤثر حکمتِ عملی بن سکتا ہے۔

6۔ سینٹ کیتھرائن سے معاہدہ:

6 ہجری میں نبی کریم ﷺ کوہِ سینا کے گرد عیسائی راہبوں سے معاہدہ کیا اور ان کے نام ایک فرمان جاری کیا جس کے اہم نکات درج ذیل ہیں؛

- انہیں مکمل مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔
- وہ اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے اور ان کے حقوق میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہو گا۔
- مسلمان وہاں عیسائیوں کی عبادت گاہیں منہدم کر کے اپنی عبادت گاہیں تعمیر نہیں کر سکیں گے۔
- عیسائی خواتین سے مرضی کے بغیر شادی یا تبدیلی مذہب کی ممانعت کی۔
- اس معاہدے کی عدم تعمیل کرنے والے مسلمانوں کو سخت سزا کا مستحق قرار دیا گیا۔
- مسلمانوں پر ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ عیسائیوں کو ان کے معاہد کی مرحمت میں مدد کریں گے۔[35]

سینٹ کیتھرائن سے منسوب معاہدے سے بین المذاہب مکالمے کے لیے مذہبی آزادی کو محض برداشت نہیں بلکہ باقاعدہ تحفظ دینے کا اصول سامنے آتا ہے۔ عصرِ حاضر میں مؤثر مکالمہ اسی وقت ممکن ہے جب مختلف مذاہب کو اپنی عبادت گاہوں، مذہبی شناخت، املاک اور شخصی آزادی کے تحفظ کا حقیقی اطمینان حاصل ہو۔ اس معاہدے میں مذہبی آزادی کے ساتھ اس کی خلاف ورزی کو قابلِ مواخذہ قرار دینا یہ واضح کرتا ہے کہ رواداری صرف اخلاقی جذبہ نہیں بلکہ قابلِ عمل ذمہ داری بھی ہونی چاہیے۔ موجودہ کثیر المذہبی معاشروں میں اس اصول کی عملی صورت مذہبی آزادی کے مؤثر قانونی تحفظ اور مذہبی جبر کی روک تھام میں سامنے آسکتی ہے، جو باہمی اعتماد کو مکالمے میں تبدیل کرنے کی بنیادی شرط ہے۔

7۔ معاہدہ خیبر:

یہود اگرچہ مسلمانوں کے حلیف تھے لیکن انہوں نے ہر موقع پر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کی بالآخران کی مسلسل ریشہ دوانیوں کے مستقل خاتمے کے لیے 7 ہجری میں غزوہ خیبر وقوع پذیر ہوا۔ انہوں نے قریشِ مکہ کے ساتھ مل کر سازشوں کے بازار گرم کیے رکھے۔ رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش بھی کی۔ جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں خیبر چھوڑ کر چلے جانے کا حکم دیا لیکن بعد ازاں کمال شفقت فرماتے ہوئے انہیں تا حکمِ ثانی اپنی زمینوں میں رہنے کی اجازت دے دی اور پیداوار نصف نصف تقسیم کرنے کا معاہدہ کیا۔ حضرت عبداللہ رواحہؓ کو غلے کی تقسیم کے لیے بھیجا گیا۔ ان کا انصاف دیکھ کر یہود پکار اٹھے کہ زمین و آسمان اسی انصاف کی وجہ سے قائم ہیں۔[36] کچھ مسلمان سپاہی خیبر کے باغوں میں گھس گئے تو رسول اللہ نے سخت منع فرمایا اور یہود کی اجازت کے بغیر لیا گیا وہ مال حرام قرار دیا۔ سیدہ صفیہ سے شادی کی۔ ان کی وجہ مذہبی رواداری مزید بڑھ گئی۔ ام

---

[34] سید صباح الدین عبد الرحمان، اسلام میں مذہبی رواداری، ص50-51

[35] محمد اسلم صدیقی، قرونِ اولی کے مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات و معاہدات اور عصرِ حاضر، ص188

[36] علامہ نور بخش توکلی، سیرت رسول عربی، ص150

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

المؤمنین سیدہ صفیہؓ بھی ہمیشہ اپنے قرابت داروں سے اچھا سلوک کرتی رہی حتی کہ انہوں نے اپنی ایک تہائی جائیداد بھی اپنے ایک یہودی بھانجے کے نام وصیت کی۔[37] آپؓ نے ایک یہودی کو تیس ہزار درہم مالیت کا صدقہ دیا۔ رسول اللہ بھی ایک یہودی کو صدقہ دیا کرتے تھے جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔[38] اسلام ایسی صلہ رحمی اور فراخ دلی کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

معاہدۂ خیبر سے بین المذاہب مکالمے کے فروغ کے لیے انصاف کو مذہبی تعلقات کی بنیادی اخلاقی و عملی بنیاد بنانے کا اصول سامنے آتا ہے۔ اس معاہدے کا امتیاز یہ ہے کہ سابقہ کشیدگی کے باوجود معاملات کو انتقام کے بجائے منصفانہ حقوق اور باہمی مفاد کے اصول پر منظم کیا گیا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مکالمے کی پائیداری محض خوش گوار تعلقات نہیں بلکہ غیر جانب دارانہ انصاف سے وابستہ ہے۔ عصر حاضر میں بین المذاہب اعتماد اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب مذہبی شناخت سے قطع نظر معاشی، شہری اور انسانی معاملات میں مساوی انصاف یقینی بنایا جائے۔ اس اصول کی عملی تکمیل مذہبی گروہوں کے درمیان معاشی تعاون، سماجی خیر اور باہمی حقوق کی پاسداری کے ذریعے ہو سکتی ہے، جس سے مکالمہ محض گفتگو کے بجائے مشترکہ معاشرتی منفعت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

8۔ تبوک کے مضافات میں موجود قبائل سے معاہدات:

نبی کریم ﷺ جب 9 ہجری میں تبوک تشریف لے گئے تو ہرقل جنگ کے لیے نہ آیا۔ واپسی پر نبی کریم ﷺ نے گرد موجود قبائل سے معاہدے کیے جن میں بنو ایلہ، بنو حمدان، بنو جربا و اذراح اور مقنا کا یہودی قبیلہ شامل ہیں۔ ان معاہدات میں انہیں مذہبی آزادی، امن و سلامتی کی ضمانت دی گئی۔ یہ عہد بھی کیا گیا کہ کسی کا مذہب جبری تبدیل نہیں کیا جائے گا۔[39] تبوک کے بعد مختلف قبائل سے کیے گئے معاہدات سے بین المذاہب مکالمے کے لیے مذہبی آزادی اور عدم جبر کو باہمی تعلق کی مستقل بنیاد بنانے کا اصول اخذ ہوتا ہے۔ اس منہج میں مذہبی اختلاف کو ختم کرنے کے بجائے اسے پُرامن طور پر قبول کرتے ہوئے ہر فریق کے اعتقادی تشخص کو تحفظ دیا گیا، جو حقیقی مکالمے کے لیے بنیادی شرط ہے۔ عصر حاضر میں بین المذاہب تعلقات کو مؤثر بنانے کے لیے مذہبی وابستگی کو سیاسی یا سماجی وفاداری کا پیمانہ بنانے کے بجائے آزادانہ اعتقاد اور رضاکارانہ تعامل کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اس اصول کی عملی صورت مذہبی تبدیلی کے جبر کی روک تھام، اقلیتوں کے مذہبی حقوق کے تحفظ اور باہمی احترام پر مبنی شہری تعلقات کے قیام میں سامنے آسکتی ہے۔

9۔ معاہدہ بنو ثقیف:

فتح مکہ کے بعد بنو ثقیف نے رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کیا۔ انہوں قبولِ اسلام کے لیے زنا، شراب اور سود کی اجازت مانگی لیکن آپ ﷺ نے یہ شرائط نامنظور کیں۔ انہوں نے بعد ازاں زکوۃ، نماز اور جہاد سے استثنا مانگا تو رسول اللہ نماز کی معافی نہیں دی البتہ اسلام کے اہم رکن زکوۃ اور جہاد کے لیے مجبور نہیں کیا گیا۔ اس عظیم مذہبی رواداری کا اثر یہ ہوا کہ حجۃ الوداع تک پورا قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا۔[40]

معاہدۂ بنو ثقیف سے خصوصاً زکوۃ سے وقتی استثنا کی گنجائش یہ اصول سامنے لاتی ہے کہ بین المذاہب مکالمے میں ہر اختلافی یا حساس معاملے کو فوری طور پر حتمی اتفاق تک پہنچانا ضروری نہیں؛ بعض امور میں تدریج اور مرحلہ وار پیش رفت زیادہ مؤثر ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فریقِ ثانی کے قبولِ اسلام اور تدریجی انضمام کے مرحلے کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض عملی ذمہ داریوں میں گنجائش دی، جس سے مکالمے میں حالات اور استعداد کی رعایت کا اصول واضح ہوتا ہے۔ عصر حاضر میں یہ اصول مذہبی گروہوں کے درمیان حساس مسائل پر فوری یکسانیت کے مطالبے کے بجائے مرحلہ وار اعتماد سازی اور تدریجی تعاون کی صورت میں اختیار کیا جا سکتا ہے۔ یوں اختلاف کو فوری تصادم میں بدلنے کے بجائے قابلِ انتظام مراحل میں تقسیم کرنا پائیدار بین المذاہب تعلقات کے لیے زیادہ مؤثر حکمتِ عملی ثابت ہو سکتا ہے۔

---

[37] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اللہ کی سیاسی زندگی، ص228

[38] ڈاکٹر طاہر القادری، اسلام میں انسانی حقوق، ص541

[39] ڈاکٹر عبدالحی مدنی ومعہ، انسانی وعالمی امن کے لیے معاہدات رسول کا تجزیاتی مطالعہ، ص119

[40] سید صباح الدین عبدالرحمان، اسلام میں مذہبی رواداری، ص58

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

10۔ معاہدہ اہل نجران:

نو ہجری میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نجران سے ایک عیسائی وفد حاضر ہوا جس میں 60 افراد شامل تھے۔ اس وفد کا سربراہ عبدالمسیح تھا۔ اس میں ان کے ماہر تعلیم ابوحارثہ اور نجران کے چیف جسٹس ایہم شامل تھے۔ نجران یمن سے 150 میل شمال میں ایک علاقہ ہے جس کی آبادی ایک لاکھ سے زائد تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وفد کے ساتھانتہائی رواداری کا معاملہ فرمایا۔ انہیں مسجدِ نبوی میں عبادت کی اجازت دی اگرچہ انہوں نے انتہائی غیر مہذب رویہ اختیار کرتے ہوئے مسجدِ نبوی کے اطراف نجاست بکھیر دی لیکن صحابہ کرام نے احترام ملحوظِ خاطر رکھا جو مذہبی رواداری کی بہترین مثال ہے۔[41] ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے لکھا ہے کہ ان کا سربراہ سب سے بڑا پادری السید الغسانی تھا۔ اسی کے ذریعے انہوں نے تحائف بھیجے اور معاہدہ کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی وساطت سے نہ صرف اہل نجران بلکہ جملہ مسیحانِ عرب کے نام معاہدہ تحریر کیا۔[42] اس معاہدے کے اہم نکات درج ذیل ہیں؛

- اہل نجران معاہدے کی پابندی کریں گے تو انہیں امن حاصل ہو گا۔
- نجران، اطراف کے باشندے، مال، جائیداد، جانور رسول اللہ کی حفاظت میں ہیں۔
- کوئی اسقف، کوئی راہب، کوئی واقہ اپنے عہدے سے نہیں ہٹایا جائے گا۔
- ان کے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں ہو گی، ان کے اصنام مسخ نہیں کیے جائیں گے۔
- اہل نجران کو جنگی مہمات میں شامل ہونے کا نہیں کہا جائے گا اور نہ ان سے عشر لیا جائے گا۔[43]

معاہدۂ اہل نجران سے بین المذاہب مکالمے کے لیے مذہبی شناخت، عبادت اور مذہبی قیادت کے احترام کا اصول اخذ ہوتا ہے، جس کی عملی اور غیر معمولی مثال یہ ہے کہ مسیحی وفد کو مسجدِ نبوی میں اپنی عبادت ادا کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس اقدام سے واضح ہوتا ہے کہ مکالمے کے لیے محض فریقِ ثانی کے وجود کو تسلیم کرنا کافی نہیں بلکہ اسے اپنے مذہبی شعائر کے اظہار کے لیے عملی گنجائش فراہم کرنا بھی ضروری ہے۔ عصرِ حاضر میں اس اصول کی تطبیق مختلف مذاہب کے عبادت خانوں اور مذہبی اجتماعات کے احترام، بین المذاہب وفود کے مذہبی شعائر کے لیے مناسب گنجائش اور مذہبی آزادی کے تحفظ کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ یوں مسجدِ نبوی میں مسیحی عبادت کی اجازت ایک ایسے مکالماتی ماحول کی مثال بنتی ہے جہاں مذہبی اختلاف کے باوجود عبادت کے حق کا احترام باہمی اعتماد اور پُرامن بقائے باہمی کو مضبوط کرتا ہے۔

نتائج بحث:

زیرِ نظر تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ بین المذاہب مکالمے کی کامیابی کے لیے مذہبی اختلاف کا خاتمہ ضروری نہیں، بلکہ اختلاف کو منظم، پُرامن اور باوقار انداز میں قبول کرنے کا اجتماعی طریقۂ کار ضروری ہے۔ اس کی عصری معنویت یہ ہے کہ مختلف مذہبی گروہوں کے درمیان تعلقات کو یکسانیت کے مطالبے کے بجائے باہمی شناخت کے احترام اور اختلاف کے پُرامن انتظام پر استوار کیا جائے۔

تحقیق سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ مذہبی شناخت کا تحفظ مکالمے کی پیشگی شرط ہے۔ جب کسی مذہبی گروہ کو اپنے عقیدے، عبادت اور مذہبی تشخص کے تحفظ کا اطمینان حاصل ہو تو باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے اور مکالمہ دفاعی ردِ عمل کے بجائے تعمیری تعاون کی صورت اختیار کرتا ہے۔ عصرِ حاضر میں اس اصول کا تقاضا ہے کہ کثیر المذہبی معاشروں میں مذہبی آزادی اور اقلیتوں کے حقوق کو محض رواداری کے اخلاقی تصور تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ انہیں مؤثر قانونی تحفظ فراہم کیا جائے۔

---

[41] عزیز ملک، مکاتیب رسول، ص52-53

[42] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات، ص113

[43] ڈاکٹر عبدالحی مدنی ومعہ، انسانی وعالمی امن کے لیے معاہدات رسول کا تجزیاتی مطالعہ، ص120

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

یہ تحقیق اس امر کی بھی نشان دہی کرتی ہے کہ مکالمے کی پائیداری احترامِ انسان اور حقوق کی عملی ضمانت سے وابستہ ہے۔ محض مذہبی رواداری کے دعوے اس وقت تک مؤثر نہیں ہو سکتے جب تک جان، مال، عزت، مذہبی آزادی اور جائز شہری حقوق کے تحفظ کا عملی نظام موجود نہ ہو۔ اس اصول کی عصری معنویت یہ ہے کہ بین المذاہب مکالمے کو حقوقِ انسانی، قانون کی بالادستی اور اقلیتی تحفظ کے ادارہ جاتی نظام سے مربوط کیا جائے۔

ایک اہم مستنبط اصول مذاکرات میں لچک اور وسیع تر مصلحت کو ترجیح دینا ہے۔ تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ ہر مذاکراتی عمل میں فوری یا مکمل مفاد حاصل کرنا ضروری نہیں؛ بعض اوقات پائیدار امن، انسانی جانوں کے تحفظ اور مستقبل کے بہتر تعلقات کے لیے وقتی طور پر مشکل یا یک طرفہ محسوس ہونے والی رعایت بھی حکمتِ عملی بن سکتی ہے۔ عصرِ حاضر میں یہ اصول مذہبی تنازعات کے حل کے لیے صفر جمع صفر طرزِ فکر کے بجائے مرحلہ وار مفاہمت اور طویل المدت امن کی حکمتِ عملی اختیار کرنے کی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

تحقیق سے عدمِ جبر اور تدریجی تبدیلی کا اصول بھی سامنے آتا ہے۔ مذہبی یا معاشرتی تعلقات میں پائیدار تبدیلی دباؤ، فوری یکسانیت یا فریقِ ثانی کی تمام شرائط کو یکسر مسترد کرنے سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ بنیادی اصولوں کو برقرار رکھتے ہوئے مناسب گنجائش، تدریج اور حالات کی رعایت زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ موجودہ بین المذاہب ماحول میں اس اصول کا اطلاق اس امر پر ہوتا ہے کہ مکالمے کو تبدیلیِ مذہب یا نظریاتی اتفاق کی شرط سے آزاد رکھ کر اعتماد سازی اور تدریجی فکری قربت کا ذریعہ بنایا جائے۔

ایک اور اہم نتیجہ یہ ہے کہ مشترکہ انسانی مصالح بین المذاہب تعاون کا مؤثر نقطۂ آغاز بن سکتے ہیں۔ جب مختلف مذاہب کے پیروکار ظلم، ناانصافی، انسانی تحفظ، امن اور معاشرتی خیر جیسے مشترک مسائل پر تعاون کرتے ہیں تو نظری اختلاف کے باوجود عملی قربت پیدا ہوتی ہے۔ عصرِ حاضر میں اس اصول کے تحت بین المذاہب مکالمے کو محض مذہبی نظری مباحث تک محدود رکھنے کے بجائے مشترکہ سماجی مسائل کے حل کے عملی منصوبوں سے منسلک کیا جا سکتا ہے۔

تحقیق یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ مذہبی مکالمے کو اخلاقی گفتگو سے آگے بڑھا کر باقاعدہ سماجی ذمہ داری میں تبدیل کرنا ضروری ہے۔ باہمی اعتماد اس وقت مستحکم ہوتا ہے جب گفت و شنید کے ساتھ عہد کی پاسداری، انصاف، باہمی تعاون اور ذمہ داری کا عملی مظاہرہ بھی موجود ہو۔ اس کی عصری معنویت یہ ہے کہ بین المذاہب مکالمے کے لیے مستقل ادارہ جاتی فورمز، مشترکہ سماجی اقدامات اور باہمی ذمہ داری کے واضح اصول تشکیل دیے جائیں، تاکہ مکالمہ وقتی تقریبات کے بجائے مستقل معاشرتی عمل بن سکے۔

آخرکار تحقیق کا جامع نتیجہ یہ ہے کہ بین المذاہب مکالمے کی مؤثریت تین باہم مربوط بنیادوں پر قائم ہوتی ہے: مذہبی شناخت کا احترام، حقوق و ذمہ داریوں کی عملی ضمانت، اور مشترکہ انسانی مصالح کے لیے پُرامن تعاون۔ ان بنیادوں کو معاصر قانونی، سماجی اور ادارہ جاتی نظام میں اختیار کیا جائے تو مذہبی اختلاف تصادم کا محرک بننے کے بجائے باہمی تفاہم اور اجتماعی استحکام کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہی معاہداتی نبوی منہج کی وہ عصری معنویت ہے جو موجودہ کثیر المذہبی معاشروں میں مکالمے کو محض نظری تصور سے ایک قابلِ عمل اجتماعی طریقۂ کار میں تبدیل کرتی ہے۔

مصادر و مراجع

1. القرآن منزل من اللہ تعالی
2. ابراہیم مصطفی، احمد حسن الزیات، حامد عبد القادر، محمد علی النجار، المعجم الوسیط (مترجمین: ابن سرور محمد ادریس، عبد النصیر علوی)، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س،ن
3. بخاری، امام، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، بیروت: دار ابن کثیر، 1443ھ
4. عبد الحفیظ، ابو الفضل، مولانا، بلیاوی، مصباح اللغات، لاہور: مکتبہ قدوسیہ، جولائی 1999ء
5. صباح الدین، سید، عبد الرحمان، اسلام میں رواداری، اعظم گڑھ: دار المصنفین انڈیا، 2009ء
6. محمد طاہر القادری، ڈاکٹر، اسلام میں انسانی حقوق، لاہور: منہاج پبلی کیشنز، 2004ء
7. ڈاکٹر عبد الحی المدنی، ڈاکٹر بشیر احمد ڈار، ڈاکٹر صبغۃ اللہ بھٹو، انسانی و عالمی امن کے لیے معاہداتِ رسول کا تجزیاتی مطالعہ، ایکٹا اسلامیکا، جلد 9، شمارہ 2، جولائی–دسمبر 2021ء
8. محبوب رضوی، سید، مولانا، مکتوباتِ نبوی، لاہور: یونائیٹڈ آرٹ پرنٹرز، 2000ء
9. عزیز ملک، مکاتیبِ رسول، راولپنڈی: مطبوعاتِ حرمت، اپریل 1971ء

10. محمد اسلم صدیقی، قرنِ اول میں مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات ومعاہدات اور عصر حاضر (مقالہ پی ایچ ڈی)، لاہور: شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، 2002ء
11. حمید اللہ، ڈاکٹر، حیدری، سیاسی وثیقہ جات (مترجم: مولانا ابو یحی امام خان نوشہروی)، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، جون 2005ء
12. محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اللہ کی سیاسی زندگی، لاہور: نگارشات پبلشرز، 2013ء
13. نور بخش، توکلی، پروفیسر، سیرتِ رسول عربی، لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، س ن
14. ڈاکٹر عبد الفرید بروہی، ڈاکٹر قاری ضیاء الرحمان، محمد اسلم راجپار، مکالمہ بین المذاہب کی جہات: مصطفی منہج (عرب کے یہود و نصاری سے تعامل کی روشنی میں)، الاعجاز ریسرچ جرنل آف اسلامک سٹڈیز، جلد 5، شمارہ 4، اکتوبر-دسمبر 2021ء
15. محمد طارق، ڈاکٹر ذیشان، مکالمہ کے اصول وضوابط، قرآنی آیات مکالمات کی روشنی میں مطالعہ، الضرار ریسرچ جرنل، جلد 4، شمارہ 4، اکتوبر-دسمبر 2024ء
16. ڈاکٹر محبوب علی شاہ، ڈاکٹر محمد شاہد حبیب، مکالمہ بین المذاہب شرائط، مقاصد اقسام اور رکاوٹیں، التبیین، جلد 3، شمارہ 2، جولائی-دسمبر 2019ء
17. سید جلال الدین عمری، مکالمہ بین المذاہب، عالمی ترجمان القرآن، فروری 2011ء
18. فداء الرحمان، ڈاکٹر حشمت بیگم، ڈاکٹر عمرانہ شہزادی، عصر حاضر میں مذہبی رواداری کے قیام کی صورتیں، ابراہیمی مذاہب کے تناظر میں تجزیاتی مطالعہ، ششماہی تحقیقی مجلہ فہمِ اسلام، جنوری-جون 2021ء
19. محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضراتِ سیرت، لاہور: الفیصل ناشران، جنوری 2015ء